
THE
OUDH PUNCH LUCKNOW
1925
WISE MAN IS NOT TO BE DICTATED TO BUT HE IS TO DICTATE UNTO OTHERS (ARISTOTLES)

جلد ۱۰ نمبر ۱۵

مضامین غیر

مورخہ ۱۵ اپریل سنہ ۱۹۲۵ء

یک نشد دو شد

فارس میں ایک آغا فنون سحر و نیرنگ و سیمیا و شعبدہ کے بہت مشتاق تھے۔ جو شعبدہ یا شبدہ ایک گرو مل ہی گیا انھوں نے مدتوں خدمت کی اور اُسکے صلے میں صرف ایک عمل ہاتھ لگا جسکے ذریعہ سے مُردے اُٹھ بیٹھتے تھے۔ اتفاق کی بات ہمسایہ میں کوئی دوست مر گیا یہ شخص متمول تھا مگر جس مقام پر اس نے اپنا خزانہ دفن کیا تھا وہ عزیزوں کو معلوم نہ تھا مرنے والے کے عزیزوں نے آغا صاحب کو گھیرا کہ عمل پڑھ کے پوچھیے۔ اگر دل ٹھیا تو آپ کا حصہ بھی لگایا جائے گا۔ آغا عمل خوانی کے آلات گُگل سنگل تیلی کی کھوپڑی ماش الا بلا وغیرہ سامان لے کے قبر پر پہونچے مٹی کنارے لگائی تختے اُکھاڑے عمل پڑھنے لگے۔ دفعتہً مُردے صاحب اُٹھ بیٹھے۔ آغا نے پوچھا وہ گٹھی کہاں گڑی ہے۔ مُردے صاحب گونگے بہرے اندھے تھے انھوں نے کچھ جواب نہ دیا اسیے اکثر جیح کے سوالات کرتے ہیں وہ ہر جنبش میں حرکت تو ہوتی ہے مگر جواب کچھ نہیں ملتا۔ انکے اُستاد بھی دل لگی باز ہوتے تھے۔ اور غرض تھا کہ وہ جز و مخفی رکھے عمل بتایا تو ترکیب نا تمام بتائی چنانچہ آغا کے اُستاد مرحوم نے بھی مردہ زندہ کرنے کی ترکیب بتا دی تھی لیکن پھر اُلٹا لانے کا منتر قبر میں اپنے ساتھ لیتے گئے تھے جب آغا نے دیکھا کہ مرحوم ہمسایہ کچھ نہیں بتاتا تو ارادہ کیا کہ قبر تبدیل کردیں۔ توبہ! علاوہ آزادی کی ہوا کھا چکنے کے بعد قبر کی ذرا سی کوٹھری میں کیوں جاتا۔ ادھر انھوں نے نعرہ لگا کے شور سنا اُدھر وہ دانت نکال کے پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ آخر بار بار بلنا کافی کے بعد انھوں نے خیال کیا کہ چلو اُستاد کی قبر کھود کے اُن سے رد عمل کی ترکیب پوچھیں تن تو بڑا سنبھالا اُستاد کی قبر کھودنے چلے ہمسایہ کا مردہ ڈھاینچ بھی ساتھ ساتھ چلا۔ جلدی جلدی مٹی کھودی تختے سرکائے عمل پڑھا اُستاد صاحب نے انگڑائی لی ہڈیاں کھڑکھڑائیں بوسیدہ کفن چاک ہوا چیلی چپلائی مُنڈیا نکلی آغا نے بلبلا کے فریاد کی۔ دیکھیے اُستاد یہ کمبخت کسی طرح قبر میں نہیں جاتا۔ اُستاد کی یا پرش کو کیا غرض تھی جو جواب دیتے۔ بے گوشت پوست کا ہاتھ ہلاتے رہے۔ آغا نے دیکھا کہ یہ تدبیر بھی خالی گئی تو اُستاد سے کہا اب آپ آرام فرمائیں مگر اُستاد ایسی کب سُنتے ہیں۔ آغا نے چلا کے کہا یک نشد دو شد۔

آجکل گورے چمڑے والے گورکنوں نے مصر کے قبرستان تاک لیے ہیں۔ لارڈ کارنروَن صاحب نے توتنخ آمون فرعون مصر کی قبر ڈھونڈھ نکالی جس نے گویا ان گورکنوں ہی کے واسطے اپنی قبر میں لاکھوں من سونا بھرا تھا۔ اس زرین قبر کا تذکرہ اب پرانا ہوگیا۔ لارڈ کارنروَن چل بسے۔ بیوی نے پچاس ساٹھ برس کی بالی عمر میں بیوہ رہنا گوارا نہ کیا اور سُنتے ہیں کہ ایک چھوٹی عمر کے باب یعنی شوہر زوجہ دارتے میاں کا کفن میلا ہونے سے پیشتر ہی پہلو آباد کر لیا۔ واقعی زن و زر دونوں میں وفا نہیں۔ یہ مقدمہ غریب توتنخ آمون کے مدفون عجائب و غرائب سے زیادہ دلچسپ تھا۔ کچھ تو اس دلچسپی نے زر میں قبر کی طرف سے لوگوں کا دھیان ہٹایا اور کچھ سر وارلی اسٹیک کے خون نے لیکن اس میں شک نہیں کہ مردہ شُشہری موجود ہے گورکن انجینیر اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کارنروَن صاحب کی سدا سہاگن بیوہ جوانی کا لطف اور مقدمہ کی پیروی میں مشغول رہنے کے بعد غالباً اس افسوس میں ہونگی کہ توتنخ آمون کی کمائی ہی نیک کام میں کیوں صرف نہ ہوئی۔

اب سُنیے کہ یک نشد دو شد یعنی فی الحال پر ڈاکٹر ریسنر اور مسٹر ایلن رو نے مصر ہی کی سرزمین پر ایک بڑے جگادری فرعون کی قبر ڈھونڈھ نکالی ۹۰ فٹ زمیں کھودی گئی تو مقبرہ کی عمارت ملی۔ اس بادشاہ کا نام سینو فرو ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ یہ بادشاہ عجائب مصر میں سے ایک یا چند عظیم مخروط مضلع عمارات (اہرام) کا بانی بھی ہے لیکن انھوں نے زمانہ کی تعیین میں دھوکا کھایا ہے اگر یہ صحیح ہے کہ اہرام مصر کا بانی یہی بادشاہ تھا تو نجومی اعتبار سے اسکے تعمیر کو پانچ چھ ہزار سال نہیں بلکہ تخمیناً بارہ ہزار برس ہوئے۔ ایک مستند عالم کا قول ہے۔

بُنی الحرمان والنسر فی السرطان

یعنے ہرمان مصر کی بنیاد اُس وقت پڑی جب کہ نسر طائر سرطان کے برج میں تھا۔ نسر طائر تخمیناً چوبیس پچیس ہزار سال میں بارہ برجوں کا دورہ طے کرتا ہے۔ مصر میں یو کتابیں ناص اہرام کے علوم ...

متعلق لکھی گئی ہیں اُن سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے بعض مقابر کے کتبے بھی یہی گواہی دیتے ہیں منتخب التواریخ اور دیگر سنسکرت کی کتابیں شاہد ہیں کہ طوفان نوح کی خبر جب عام ہوئی اور نجومیوں نے پیشگوئی کی کہ ایک بہت بڑا طوفان آنے والا ہے تو حکمائے مصر نے حفاظت علوم کی غرض سے اہرام بنوائے اور حکمائے ہند نے تانبے کے پتروں پر کتابیں لکھ کے زمین میں گڑوا دیں۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اہرام کی تعمیر طوفان نوح سے پیشتر کی ہے۔

بہرحال تلاش آثار قدیمہ کے حیلے سے آجکل خوب کام چل رہا ہے۔ یہ کھود اور کھود مال کی طمع اس گروہ کلاوش کی شہری میں نئی جان ڈالتی رہتی ہے مختلف جنگلوں میں گورکنی کی خدمت انجام دینے والے اگر شمار کیے جائیں تو لاکھوں ہونگے کیا تعجب ہے کہ ان میں سے کوئی جاسوس قرح (قارون) کی دولت پر بھی قابض ہو جائے جس نے حضرت موسیٰ کے ساتھ اس بات پر جھگڑا کیا تھا کہ حضرت نے ہارون کو کہانت کے لیے کیوں منتخب کیا اور خدا کے حکم سے زمین نے اُن سب آدمیوں کو جو قرح کے تھے اور اُن سب کے مال کو نگل گئی اور یہ بھی عجب نہیں کہ بعد اپات قدیمہ ان کی ملاقات بعض ہزارہا سال زندہ رہنے والے

حکیموں سے بھی ہو جو غاروں میں جسم بنا کے رہتے تھے۔ اور وہ دواؤں کے زور سے اُن کے غیر متحرک اجسام آجتک تر و تازہ ہیں بلکہ اکثر میں آثار حیات بھی موجود ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ آغا ایک نشہ دو شنبہ کی طرح یہ لوگ ان زندہ بصورت مردہ اجسام سے باتیں کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

بعض دور اندیش معاملہ فہم حضرات کا قول ہے کہ عنقریب اہرام مصر کی شامت آنے والی ہے۔ توسیع معلومات کے چلتوں دُنیا کے عجائب میں سے یہ عجوبہ عمارتیں نام کٹوانے والی ہیں۔ ستاروں میں بھوت بھرے ہوں تو مزا آئے۔ اور ہر ایک گورکن ایک نشہ دو شنبہ کہتا پھرے۔ اور پرانے ملفوظات پر دست درازی کی گئی کا نتیجہ ہو۔

راقم

گورکن

اور لیجیے!

تحفہ درویش کے عنوان سے شیعہ کانفرنس میں بعض نام نہاد مولویوں کی عدم شرکت کے متعلق بمبئی سماچار کے مضمون کا ترجمہ اودھ پنچ کے کسی گذشتہ پرچے میں چھپ چکا ہے۔ ۵ اپریل کے پرچہ میں ایک مشہور و معروف گجراتی اخبار میں ملانوں کی نسبت جو رائے ظاہر کی گئی وہ بھی شایہ دلچسپی سے پڑھی جائے۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا شاندار سالانہ اجلاس بمبئی میں ہوا۔ اہل بمبئی نے اپنے شیعہ بھائیوں کی حتی الامکان مہمان نوازی کی۔ حالت دیکھ کر چند پاؤ خور ملاؤں کو وہ شکم کی شکایت ہوگئی سچ ہے پیٹ کا جلا گاؤں جلائے۔ انھوں نے دسترخوان ہی الٹ دینے کی کوشش کی مگر بمبئی والے بھلا کب انکی سننے والے تھے وہ اپنے کام میں مصروف رہے۔ ان تڑپنے بلکنے والوں کی فریاد ایک نے بھی نہیں سنی۔ میں تو اہل بمبئی کو بھی اس شعر سے مخاطب کرونگا

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بدرودے

ایک بات ضرور ہے کہ یہ ملا ہیں بڑے بھولے بھالے جو کچھ انھیں کرنا تھا وہ بے سوچے سمجھے تڑاق پڑاق کر ہی ڈالا جواب بمبئی والوں کی طرف سے صرف یہی ملا کہ

دگفتند کہ بہ تحقی لباز د ریشہ بگیر
برو کہ بادہ ما آنچنان تر از ریشہ نیست

مترجم نیاز مند قدیم

نوٹ:- جناب نیاز مند صاحب آپ اپنے بمبئی کے مولویوں کو لیے پھرتے ہیں۔ اے حضرت ہمارا لکھنؤ آپ جانیے شیعوں کا مرکز ہے یہاں کے مولوی جو کچھ کر رہے ہیں اسکی آپ کو خبر ہوگی علم و عمل کی راہ سے نہیں بلکہ عمر و تجربہ کے لحاظ سے

یہاں بعض مولوی ذی اثر ہیں انکی دوکانیں خوب چل رہی ہیں کسی نے اوقات کا ٹھیکہ لے لیا ہے کسی نے درسگاہوں پر قبضہ جمایا ہے۔ کانفرنس کا ساتھ دینے والے ان مرجع الاوقاف مولانا صاحب والمدارس مولویوں کے ماتحت ہیں۔ کیوں؟ - اس وجہ سے کہ آپ نے علوم دینیہ کے طلبہ کے واسطے روٹیوں کا سامان نہیں کیا۔ یہ بیچارے مجبور ہیں کہ مرجع وظائف کی ماتحتی میں کام کریں اور پیٹ بھریں۔ جب مولانا مرجع الاوقاف صاحب بھی کانفرنس سے بیزار۔ جناب مولانا [illegible] صاحب بھی برہم ہیں تو بھلا ماتحتوں کی یہ سرکشی کہ باقی کانفرنس میں شریک ہوں کن آنکھوں سے دیکھئے۔ کس دل سے گوارا کرتے۔ زبان حال کہتی ہے "ہاں! کانفرنس میں شریک ہوئے۔ یہ بھی نہ خیال کیا کہ ہم اس سے بیزار ہیں۔ یہ بھی نہ سمجھے کہ ہم مسجود خلائق ہیں ہماری بیزاری عین خالق رزاق کی بیزاری ہے ابھی چاہیں تو جیسے کسی کو چاہیں شہر میں رہنا دوبھر ہو جائے۔ اچھا! ٹھہرو! ابھی علاج ہوا جاتا ہے لگے ہاتھوں اتنے دن کی غیر حاضری تنخواہ میں مجرے کر لو۔ پھر کوئی اور تدبیر دیکھی جائیگی۔ اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ ہم بھی مجتہد صاحب بنے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ ہمارے آگے کسی کا اجتہاد چلنے والا نہیں چاہے کوئی عرش کا تارا ہو مجتہد کیوں نہو۔ یہاں بے سب [illegible] تو ہماری مٹھی میں ہیں جسکے علم و فضل کی تصدیق ہم کر دیں وہی یہاں رہ سکتا ہے"

پس جناب نیاز مند صاحب آپ نے اپنی محبت کی بستی میں جن غریبوں کی گردن پھنسائی ہے اُن کی خبر لیجیے۔

پیمانہ جنوری ۱۹۲۵ء
شاعر اعظم
(نمبر ۳)

شاعر صاحب دل کی عجب تنگی کا تماشا یوں دکھاتے ہیں ؎

دل تنگیں مدارات ستم کی بات رہ جائے
لہو کی بوندیں کر جذب ہو جائو پیکاں میں

پہلا مصرعہ ایسا ڈھیلا ڈھالا ہے کہ گویا داغ نے لعنت سے استغفار دیدیا ہے۔ ہاں دوسرا مصرعہ تو ایک فرمائش ہے۔ شاعر صاحب اپنے دل سے ٹھیک اسی طرح پیکان میں لنگ کے جذب ہو جانے کی فرمائش کرتے ہیں جیسے مداری تماشہ گولیوں کو دودھ نے روکنے کی ہدایت کرتا ہے شعرا نے دل کو پیکان و خدنگ کا مہمانخانہ فرض کیا ہے برخلاف اسکے شاعر اعظم مہمان کی داڑھی پکڑ کے لٹکنے کی میزبان کو تعلیم دیتے ہیں یہ نئی خاطر داری اور مدارات ہے۔ اسکے علاوہ شاید یہ پیکان آہنی نہیں کسی مسجد کی ٹوٹی بدھنی کی ٹونٹی ہے جبکے پیچھے پیوست کی وجہ سے خون کی بوند سڑک لینا قابل تعجب نہیں۔ جس مضمون کو شعرا نے ایسے حسن و لطف کے ساتھ نظم کیا ہے کہ دل عش عش کرتا ہے وہ بھی شاعر اعظم کی غارت گری سے نہ بچا اور ایسا مہمل ہو گیا۔ واقعی استادی یہی ہے۔

پھر فرماتے ہیں ؎

فنا کھل کر پکارا ہے صور مجذوبان الفت کو
یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

یہ شعر وہ ہے جس پر بے حاصل کو ناز ہے۔ جعفر زٹلی اور شیخ چلی دونوں اگر کہتے تو یوں ہی کہتے۔ صور کوئی بھونپو یا بگل نہیں ہے جو دیوانوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے واسطے حضرت اسرافیل بجائینگے اور اسمیں کسی کا نام لے لے کے پکاریں گے اسکی پہلی آواز میں دنیا فنا ہو جائے گی۔ دوسرے نفخہ (پھونک) میں حیات پائے گی یہ دیوانے مر رہو چاہے بیابان میں بیٹھے رہیں چاہے دیواروں سے سر پھوڑیں۔ ہم آپ کی خاطر سے تسلیم کرتے ہیں کہ صور دیوانے جمع کرنے کا آلہ ہے اور یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ صور زور سے پھونکا گیا دیوانے قلقاریاں مارتے ڈھیلے اچھالتے بوٹیاں کاٹتے ننگے دھڑنگے جمع بھی ہو گئے تو پھر کیا؟ بالفاظ دیگر حضرت اسرافیل کے صور نے شاعر صاحب کا حکم نہ مانا پڑی ہوئی آواز لگائی۔

[illegible] مدیر [illegible] قیمت [illegible] محصول [illegible] سید [illegible] حسین [illegible] اودھ پنچ لکھنؤ سے شائع ہوا۔

اور شاعر صاحب کا یہ اندیشہ پورا اترا کہ دیوانے بیاباں میں پیچھے رہ گئے تو کیا قیامت ہوگی۔ ان مطالب سے جو شخص واقف ہے وہ شاگرد صاحب کی اس یاوہ گوئی پر ضرور ہنسے گا۔

"جذب و سکر اور محویت و استغراق کی اگر کوئی اکمل ترین تصویر ہو سکتی ہے تو وہ آخری شعر ہے تخیل کی جذبات آفرینی معاذ اللہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صور کی وہ آواز جو غیر ذی روح مجسمات میں روح پھونک سکتی ہے بجھی جا رہی ہے بیکار ہو رہی ہے کوئی تاثر کوئی احساس پیدا نہیں کر سکتی۔ اسرافیل پریشان ہیں اور وہ لمحہ قریب تر ہے کہ اپنے فرض کی تکمیل میں ناکامیاب ہو جائیں گویا اگر مجذوب نہ اٹھے تو قیامت بھی موقوف ہے اسی عالم ندامت و فکر میں شاعر کی ہمہ گیر تڑپ کو جوش آتا ہے اور وہ ایک مدبرانہ انداز سے چلا کر کہتا ہے۔

ذرا اٹھ کر پکار لے صور مجذوبان الفت کو
یہ دیوانے کہیں پیچھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

وائے ناکامی۔ یہ طولانی نثر بھی معانی کی جانب سے گونگی ہے جو کچھ کہا گیا وہ بھی "المعنی فی بطن الشاعر" سے کم نہیں شعر کے الفاظ سے صور کا تعلق اور اسرافیل کی حیرانی پریشانی قیامت کا اختلال شاعر کی ندامت کسی طرح ثابت نہیں ہے نہ استاد شاگرد جذب و سکر محویت و استغراق کے اصطلاحی معانی سے باخبر معلوم ہوتے ہیں لفظیں گنوا نا تھیں تو یوں کہنا ہوتا کہ یہ انجینیری طباخی کفش دوزی خیاطی کی اگر کوئی تصویر ہو سکتی ہے تو یہ شعر ہے۔ مجبوراً آفرینی لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انجن کی وہ سیٹی جو مسافروں کو گرد بڑا دیتی ہے ماسی کی تو نبی کی طرح بالکل بند ہو گئی سلو رکھ کے زور مارتے ہیں مگر ٹلی کا نزلہ صاف نہیں ہوتا ڈرائیور اسہال کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور وہ لمحہ قریب تر ہے کہ حلق میں بانس چلانے کی نوبت آئے۔ گویا اگر مسافر نہ اٹھے تو گاڑی میں ورا نکر گیا۔

اسی عالم ندامت و تفکر میں شاعر کی نافہ تدبیریں ایک قلبی ترسا جمع ہو جاتی ہیں اور وہ فاتحانہ انداز سے گولا مسر کرتا ہے ...."

کیوں ؟ دیکھیے کہ اس ابہت شعر کو نہ اس شرح سے کوئی لگاؤ ہے نہ اس ظریفانہ عبارت سے۔ اگر جذب و سکر محویت و استغراق کا لگاؤ ثابت کر دیا جائے تو انجینیری اور طباخی کفش دوزی اور خیاطی کا لگاؤ ثابت کرنا ہم اپنے ذمہ عائد کرتے ہیں۔

ان اشعار بے معنی کے بعد فرماتے ہیں ؎

اب کیا بتائیں عمر وفا کیوں خراب کی
ترجمہ ہے زندگی کا کہانی شباب کی

اس شعر میں وفا کا ذکر فضول ہے۔ کیوں ؟ کا جواب ساغر صاحب کے پاس ہوگا۔

تھی الوداع ہوش تجلی مختصر
میرا تو کام کر گئی جنبش نقاب کی

اس شعر میں تجلی مختصر کی پیمائش شاگرد صاحب نے لمحہ کے پانچویں حصہ سے کی ہے معلوم نہیں کس گھڑی نے یہ وقت بتایا ہے سلامتی سے استاد اور شاگرد دونوں کے دماغ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں

ایک صاحب جھوٹ بولنے کے عادی تھے بارہا جھوٹ کے سبب سے پشیمانی کا سامنا ہوا۔ اتفاقاً ایک دن کسی دوست نے ایک نوکر پیش کیا کہ بھئی اسکو رکھ لو اسے جھوٹ کے سچ بنانے میں خاص ملکہ ہے۔ انکی مراد بر آئی۔ چند روز کے بعد ان کے گھر میں دوستوں کا مجمع تھا ذکر اذکار ہو رہے تھے حضرت نے بے پر کی یوں اڑائی کہ ایک دن میں شکار کی تلاش میں تیر کمان لیے جنگل میں گھوم رہا تھا بھوک بھی لگی ہوئی تھی آفتاب کی حدت بلکہ شباب پر تھی درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا اتنے میں ایک تیتر اڑا میں نے تیر جو مارا تو چرخ ہوا کے گر پڑا اٹھا کے ذبح کیا اور سو رہا جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ تیتر کباب بنا ہوا اڑ کے میری گود میں آ گرا۔ اس حکایت پر دوستوں نے قہقہے لگائے یہ پیچھے تو نوکر یاد آیا اسکی جانب ملامت کے ساتھ دیکھا۔ نوکر آگے بڑھا اور دست بستہ عرض کی کہ حضور سچ فرماتے ہیں بات یہ ہوئی کہ جب تیتر ذبح ہو چکا تو حضور نے آرام فرمایا چیل آئی اور جھپٹا مار کے اٹھا لے گئی چیل سنا تو جا رہی تھی کہ دوسری چیل نے اسکے پنجے سے تیتر چھیننا چاہا اس کشمکش میں تیتر گر پڑا۔ ایک فقیر اپنی جھونپڑی میں بیٹھا کھانا پکا رہا تھا اس نے تیتر اٹھایا صاف کیا بھونا ابھی وہ کھانے نہ پایا تھا کہ دوسری چیل اسکے ہاتھ سے تیتر کا کباب اڑا لے گئی۔ اور وہاں لائی جہاں پہلی آرام کر رہے تھے مگر پہلی چیل بھی تاک میں تھی اس نے بالا سے ہوا کباب پر چوٹے کی کباب پنجے سے چھوٹ کے حضور کی گود میں گرا۔ ابھی تعجب کا ہے کا۔ اور آپ لوگ کیوں مضحکہ فرماتے ہیں "مجھو نے تیتر اڑانے" کی مثل اسی وقت سے زبان زد ہوئی۔

سیماب صاحب کے شاگرد میاں ساغر بھی غالباً اسی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں جس میں اس بات بنانے والے نوکر نے تعلیم پائی تھی۔ استاد بھونے تیتر اڑاتے ہیں۔ اور شاگرد صاحب اسے قرین عقل بتاتے ہیں۔ ورنہ صاحبان فہم کے نزدیک تجلی مختصر سے جو کام لینا مقصود ہے وہ محض لفظ تجلی سے ادا ہو سکتا ہے مختصر و طول کی قید فضول ہے۔ ہمارے نزدیک لفظ مختصر ہی مہمل ہے مگر شاگرد صاحب اسی کی مدح فرماتے ہیں۔

تیسرا شعر ہے ؎

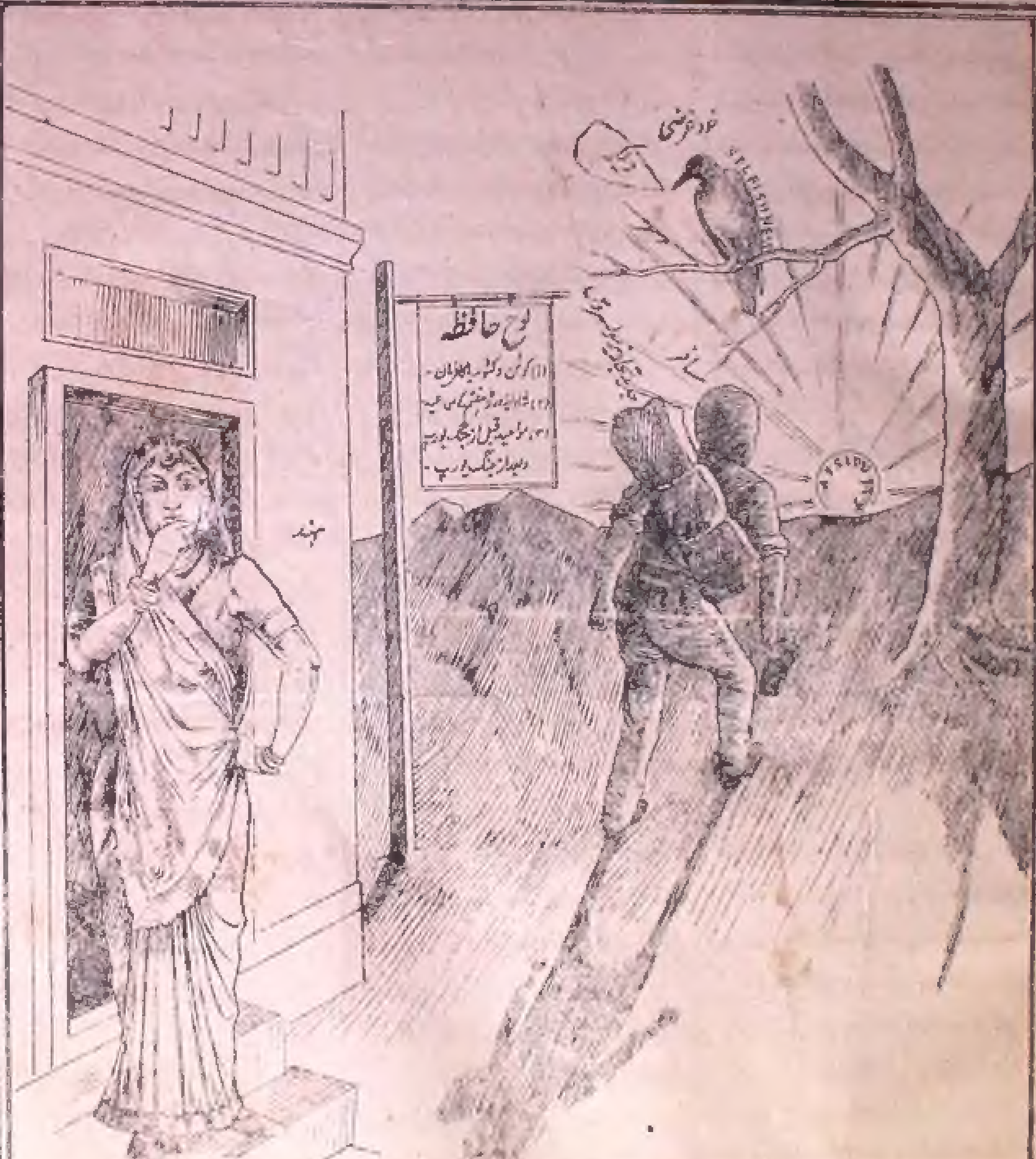
تنہائیوں میں وہ تری ہمراہی خیال
وہ جنگلوں میں سیر شب ماہتاب کی

اس شعر میں کوئی وصف نہیں نہ کوئی بات داد کے قابل ہے۔

چوتھا شعر ہے ؎

گھبرا کے جس سے چیخ اٹھا عالم وجود
وہ چیز دل نے میرے لیے انتخاب کی

شاگرد صاحب فرماتے ہیں:



مسافرِ انگلستان اور جدید تجاویز

خود غرضی: اہلاً و سہلاً

انڈیا: وہی خلل ہے پرانا لیپا دیو ہے اب کا لیپا دیکھ آئے۔۔۔ دیکھیے واپس آنے پر کیا گل کھلاتا ہے!

نے لینے محبت کا عنصر لطیف و عظیم دل نے انسان کے لیے تجویز کیا اور اب معلوم ہوا کہ دل ہی خدا ہے۔ اس لیے کہ حق انتخاب اور محبت کا حق تو صرف خدا کو حاصل ہے۔ واللہ میں خدا کو داد دیتا ہوں کہ کیا چیز اس نے مجھے دی مگر اسی خدا کے لیے جسے داد دے رہا ہوں بتا دیجیے کہ مولانا کو کیا سمجھوں کہ جن کے ایک شعر نے اس حقیقت کا انکشاف کر دیا۔

اس عبارت سے ناظرین خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ شاگرد اور اُستاد دونوں کا حوصلہ کیسا بڑھا ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں عالم وجود تو نہ چیخا چلایا رویا پیٹا نہ کسی نے آواز سنی ہاں یہ ممکن ہے کہ وجود دنیا عالم وجود دیکھ کے شاعر صاحب چیخنے بولے اور ساغر صاحب دہل گئے ہوں۔ "وہ چیز" کے غیر معتبر اشارے سے مطلب مراد لینے کا حق شاگرد صاحب کو ہرگز حاصل نہیں شعر خلقت کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ باہمی تعلقات کی راہ سے "وہ چیز" پر ہزار قسم کی بدگمانیاں ہوتی ہیں۔ محبت ہو یا کوئی دوسری تکلیف وہ چیز شاید حق سے بڑھ کر جس سے چیخنے کے علاوہ آدمی کی آنکھیں بھی نکل پڑتی ہیں منہ بھی سُرخ ہو جاتا ہے۔

الغرض حسرت رہی کہ اس انتخاب میں کوئی شعر قابل وصف ہوتا۔ باقی پھر کبھی۔

راقم

خاصہ علی محمد خاں از آگرہ

تصحیح

اُردوئے معلّٰی کے جدید نمبر میں زیرِ عنوان تصریح اصطلاحات زنانی کے معنوں کی تحقیق یاں الفاظ کی گئی ہے۔

"ہر سلی کہ پیچ تاہم شکستہ میخ رو زنانی باشد" یہ صحیح نہیں ہے۔ غالباً شاعر اس رسم سے واقف نہیں ہیں۔ دناغ، زناغ، زناق، یہ تینوں فارسی لفظ مرادف ہیں اور ان کے معنی استخوان سینہ فردوس کے ہیں۔ بیگموں کو جیسے آپس میں بہناپے کا معاہدہ منظور ہوتا تھا تو دعوت کرتی تھیں۔ اس دعوت میں مرغ ایک جزو لازم تھا۔ دسترخوان کی آرائش کے بعد دونوں بیگمیں جنہیں بہناپا ہوتا تھا مرغ کے سینے کا وہ پتلا چپڑا ہاتھ میں لے کے چٹکیوں سے کھینچتی تھیں اور جس کے ہاتھ میں بڑا ٹکڑا رہ جاتا تھا وہ بڑی زناخی کہلاتی تھی ورنہ چھوٹی۔ چھوٹی زناخی بڑی زناخی سے ابتداءً سلام کرتی تھی۔ اگر اس سینہ کھچول میں دونوں نے برابر حصہ پایا تو پھر دونوں مساوی مرتبہ کی سمجھی جاتی تھیں۔

برنج یا خشکا ایسی چیز نہیں جس کو توڑ پھوڑ سے تعلق ہو۔ علی ہذا القیاس کوکا کی یہ تشریح بھی غلط ہے "دختر دایہ شیر خورانندہ را گویند" کوکا ترکی الاصل فارسی ہے۔ برادر رضاعی اور خواہر رضاعی اور دودھ شریک دونوں کے واسطے عام ہے۔ باجی کے یہ معنی بھی صحیح نہیں ہیں۔ "مگر در بیگمات ہند آشنائی گویند کہ دختر سنی می زاید دختر او مادر خود را باجی ہم گوید" یہ کوئی عام بات نہیں۔ جن بچوں کی نانی یا دادی یا کوئی اور بزرگ جہاں سے رشتے میں بڑا ہو موجود ہوتا ہے تو ایک بچے کی ماں ہو جانے کے بعد بھی وہ بزرگ اپنے ہوتے اپنے خورد کے لیے بڑھاپے کے القاب پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنی ماں کو ماں کے عوض باجی یا باجی اماں کہیں۔ اس سے لفظ کے حقیقی معنی نہیں بدلتے نہ یہ کوئی عام دستور ہے۔

خشکا کھاؤ کے معنی بھی غلط لکھے ہیں یعنی خوش رہو یہ ایک تلمیحی محاورہ ہے۔

کسی زمانے میں معینہ خاں نے زور باندھا اتفاقاً ایک خاندان میں جس کسی نے خشکا کھایا تھا وہ قضا اجل ہوا صرف دو میاں بی بی رہ گئے۔ میاں غریب لاشے اُٹھاتے اُٹھاتے عاجز ہو گئے اور خشکے کے نام سے ڈرنے لگے۔ بی بی نے جو دیکھا کہ میاں خشکے سے ڈرتے ہیں تو جب کبھی آپس میں جھگڑا تکرار ہوتی ہی دھمکانے لگیں کہ دیکھو پھر میں خشکا کھاؤں گی۔ ایک دن کچھ ایسی تو تو میں میں ہوئی کہ میاں زیادہ جھلا گئے لکڑی لے کے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "کھاؤ خشکا" یہ آپ بانیے مار کے آ گئے بھوت بھاگ گیا۔ بی بی آنسوؤں کے شوربے خشکا ملا کے کھانے لگیں۔ خشکا ایک غذا ہے۔ بہا لوگ کھاتے ہیں اور اتفاقیہ مرتے ہیں۔ بی بی پر خشکے نے اثر نہ کیا ہٹی کٹی جیتی جاگتی رہیں۔ اور وہ "خشکا کھانے" کا جادو بے اثر ہو گیا۔ بس "خشکا کھاؤ" سے یہ مطلب لینا کہ خوش رہو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ ہاں اسکے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اب تمہاری دھمکی سے کام نہ چلیگا۔

"ددا" کے یہ معنی تو صحیح ہیں کہ "وہ لونڈی جسکی گود میں پرورش پائی ہو" لیکن اس کی تحقیق نہیں لکھی ہے۔ دراصل یہ لفظ فارسی ہے۔ فارسی میں دادہ انہیں معنی میں آج تک بولا جاتا ہے۔ اُردو نے اس میں صرف ایک الف گرا دیا ہے۔ اب چھوچھو اور ددا دونوں قریباً متروک ہیں ان کی جگہ "دکھائی" نے لے لی ہے۔

اُمید ہے کہ معزز مؤلف اُردوئے معلّٰی آئندہ الفاظ کی تشریح میں تحقیق و احتیاط سے کام لینگے تاکہ باہر والے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

راقم

ادبار

مولانا پنچ کی نوٹ بک

دم قدم سے جن کے فتنے مچ گئے
شکر ہے وہ چلتے چلتے بچ گئے

ہائے آج اگر لارڈ بالفور کی چندیا میں شامی گولیوں کے چھینٹوں بالفورہ ہو جاتا تو واللہ ہمیں بڑی مسرت ہوتی۔ خدا جانے کیسی منحوس گھڑی تھی کہ حضرت نے شام کی سیاحت پر کمر باندھی لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ فتنہ انگیزی کا پورٹ فولیو الف الام کا گلیڈسٹن بیگ لے کے سفر پر آمادہ ہوئے تو کئی شگون ہوئے۔ رقیبوں نے راستہ کاٹا۔ چھینکوں کی آواز نے متواتر سلامی دی۔ بیل تمباکو کا نام کسی نے لیا

مگر ادھر کے مقبوضات کے دشمنی دُھن کے پکّے بھلا ایسی بدشگونیوں کو کب خطرے میں لاتے ہیں۔ غلط کاری میں مبتلا ہو آپ کی بلا۔ آپ کا یہ خیال نئے نئے علوم تجربیہ کے بموجب بالکل صحیح تھا کہ گٹھلی کے بیج سے کھجور کا درخت پیدا ہونا قرین عقل ہے اور دو کے تخم سے تدھارا اکثر نکلتا ہے بارہا ببول کی سینکڑوں میاں بوئیں اور کریب کلے کاٹا۔ زقوم جیسا کسیلا بد مزہ اُگی جنگلہ تھوہر قطرہ رس بھری اسٹابری انگور شہتوت شفتالو کا ثمر نکالنے پر مجبور ہیں لیکن تجربات کے یہ الٹے آثار للہ الحمد خلقت والے ہندوستان میں ظاہر ہوئے تھے لہذا شام کے متعلق کوئی غلط کاری تو سرزد نہیں ہوئی البتہ خلافی مشیت سے مجبوری ہے۔ جن لوگوں (یہودیوں) کی حمایت پر کمر باندھی گئی انکے بارے میں بائبل اور قرآن متفق اللفظ ہیں کہ ابدی ذلت مقسوم میں لکھ دی ہے۔ بائبل بنی اسرائیل کا ہوا ہے قرآن بھی علی ہذا القیاس۔ پس یہ حمایت پڑے کی ضمانت ہوگئی سارا فریب شامی شامت میں گرفتار ہوا اور اسطرح گرفتار ہوا کہ وقت پر فرانسیسی مدد نہ کرتے تو چندیا پر بھی طرح جڑا کو کام ہو جاتا۔ ملک شام میں تین مذہبی گروہ آباد ہیں۔ عیسائی۔ یہودی۔ مسلمان۔ مدت تک اسلامی پایۂ تخت رہنے کے سبب سے وہاں کے مسلمان دیگر مذاہب کی نسبت قوی ہیں۔ اور وہ اپنی قوت کا اضمحلال دیکھ نہیں سکتی۔ بالفور صاحب چاہتے تھے کہ یہودیوں اور مسلمانوں میں پیچ چلے اور ہم تماشا دیکھیں آپ نے کروسیڈ کی اسلامی و مسیحی جنگ کو عملاً بالکل ہی حل فرمایا۔ اسلام اور مسیحیت دونوں کو شام کے بارے میں غیر مستحق قرار دیا اور بنی اسرائیل کی پیٹھ ٹھونک کر خیر خواہ بنانے [illegible] تعصب کی داستان [illegible] بھیا [illegible] ہوئے لوگوں کا خیال ہے کہ [illegible] جنگ کا نتیجہ یہی نکلا کہ شام میں خانہ جنگی شروع ہوئی انگریزوں کے سر سے الزام فتنہ انگیزی یوں دفع کیا گیا کہ شامی اونٹ کی مہار فرانس کے ہاتھ میں دی اور اسی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے رہے۔

شامی مسلمان جلے ہوئے بیٹھے تھے جب آپ اپنے لگائے ہوئے باغ کا معائنہ کرنے گئے تو آپ دم شمشیر سے سینچے ہوئے برچھی کے پھل خار دامن ہوئے۔ خاطر تواضع کا حال بحوالہ ہیرالڈ [illegible] اینجانب اسطرح ظاہر کیا گیا ہے کہ پانچ چھ ہزار خونخوار میزبان تفنگ سنگین کے ڈھیلے گولیوں کے رس گلے غدار چھریوں کے میوے پیچھی کنستوں کے ہرس گالیوں کا گلقند چھروں کی نکتیاں بارود کا میدا لے کے مہمان خانہ ہوٹل میں گھس پڑے۔ اور قریب تھا کہ جس طرح شفیق ماں اپنے نافرمان بچہ کو مار مار کے کھانا کھلاتی ہے آپ کو بھی بجبر جام شہادت نوش کرنا پڑے مگر خیریت ہوئی کہ فرانسیسی افسر فوج نے جرات و لیاقت سے کام لیا اور حق مدافعت ادا کرنے کے بعد ان کہا کہ "تا پایۂ ادب بگریز" ایک اڑتی ہوئی خبر یہ بھی ہے کہ معزز مہمان کے چندیا پر گئی [illegible] کی کھال دیکھے لپیٹ دی گئی تھی کہ چندیا محفوظ رہے۔ اولے برسیں تو فرشتہ ہو۔ گالیاں کھائیں ڈھیلے پڑے دشمن ابوک سے خیر مقدم ہوا مگر الشکر تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے آبرو کے ساتھ گھر چلے آئے۔

سو پٹ جانے سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

اعراب کا اختلاف

جو اشخاص انگریزی سے ناواقف ہیں انھیں لارڈ لٹن حال ولسرائے کے نام پڑھنے میں کسقدر دقت ہوتی ہے بعض اشخاص لام مفتوح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ "لٹنے" سے مشتق ہے وجہ قیاس یہ ہے کہ بنگال آپ کے عہد میں لٹا بنگال ہو گیا۔

بعض لام کو ضمہ دیتے ہیں اور لٹن کہتے ہیں جو لوٹ سے مشتق ہے بنگال کی پولیٹیکل جدوجہد آپ نے کلی ڈال کے لوٹ لی۔

اور بعض افراد لام کو کسرہ دے کے صحیح نام تو پڑھتے ہیں مگر انکے نزدیک مشتق لِٹنا اُردو ہے "لیٹنے ویٹنا" قرینہ قیاس یہ ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رہی سہی نیکنامی لیٹ گئی اور اس کی ہیچکاری سب پر کھل گئی وہ تھی لارڈ لٹن نے لارڈ ریڈنگ کے عجیب و غریب طرز حکومت سے جو پولیٹیکل بے آرامی پھیلنے والی تھی اسکی [illegible] ایک ماہر شاطر کی خدمت انجام دی ہے سید نہیں ہے کہ کسی جائز حق کے لیے پھر بنگال میں اب کوئی زبان ہلا سکے۔ بنگال کی آبادی پڑھی لکھی ہے حق حقوق کی طرف سے چوکنی رہتی ہے اب کٹنے لیٹے لگے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ اردو داں اشخاص کی نحوتیت صحیح ہو اور لٹن مع زیر زبر پیش کے ٹھیٹھ اردو زبان کا لفظ ہو۔

کردستان کی بغاوت

جہاں کہیں مذہبی مسندیں بذریعہ وراثت لوگوں کو مل گئی ہیں وہاں جمہوریت کا حال ٹھیک وہی ہے جو چیل جھپٹے میں پھنسنے والے چوہے کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ترکی کردستان میں یورپ کے ذات شریف ملاؤں کو بڑھاوے دے رہے ہیں کہ وہاں دیکھو مسند خلافت خالی ہے بہت دور کا راستہ ہے دیکھیں تم میں سے کون اس درخت کی پھننگی تک پہنچتا ہے"

اسی طرح ایرانی کردستان میں جمہوریت کے نام سے خار کھانے والے مولوی اپنی ناجائز دراز دستی کے درخت کو شخصیت کے پانی میں پھولتا پھلتا پھیکتا دیکھ کے اودھم جوت رہے ہیں۔ اسوقت تمام کردستان میں اندھیر مچا ہے ترک یورپ کی رگ پہچانتے ہیں اور مدتوں سے اہل یورپ کا جواب دے رہے ہیں مگر ایران ابھی اس میدان میں اجنبی اور نوکار ہے۔ محمرہ کے شیخ کی شکست میں پہلو کمزور ہونے کے سبب سے کوئی دخل نہیں دیا گیا اب اس کا عوض کردستان کی بغاوت لے گی۔